دعوتِ دین کیلئے قرآن کا بتایا ہوا طریقہ

اشفاق احمد، ایم، ٹی، ایچ، علیگ، شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۔

اسلام اللہ کا صرف پسندیدہ دین ہی نہیں بلکہ دین کی حیثیت سے وہی ابتدائے آفرینش سے آج تک تمام بندگان خدا کا دین رہا ہے، اور قیامت تک اسکو یہ اعجاز حاصل رہے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسی اسلام کو آخری اور مکمل شکل میں پیش کیا گیا ہے، آپ نے اپنی تیئس ۲۳ سالہ زندگی میں اللہ کی ہدایات کے مطابق بغیر کسی کمی بیشی کے اس کو انسانوں تک پہونچا دیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اس دین کی تبلیغ اور اس کی دعوت ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اسے قبول کر کے اس کے مطابق زندگی گذارنے کا عہد کر چکے ہوں۔ امت مسلمہ کی یہ صرف ذمہ داری ہی نہیں بلکہ اس کا فریضہ منصبی اور مقصد وجود بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تومنون باللہ (سورہ آل عمران آیت: ۱۱۰)

یعنی تم بہترین امت ہو تمہیں عام لوگوں کی بھلائی کے لئے برپا کیا گیا ہے تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے ——— روکتے ہو اور خود اللہ پر ایمان رکھتے ہو معروف و منکر قرآن کی اصطلاح میں پورے اسلام کو محیط ہیں۔ اس کا کوئی جزیہ اس سے باہر نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فرض کو ادا کرنے کے لئے کون سا طریقہ اپنایا جائے۔ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کے سلسلے میں کیا ہدایات دی ہیں؟ ذیل کی سطور میں اسی پہلو کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

قرآن مجید صرف عقائد، عبادات اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ دعوت دین اور اس کے طریقۂ کار کو بھی مفصل طریقے سے بیان کرتا ہے۔ اس نے داعی کی صفات پر بھی روشنی

ڈالی ہے، دعوت کے اسلوب کو بھی موضوع بنایا ہے اور مخاطبین کی رعایت بھی ملحوظ رکھی ہے۔ داعی، مدعو اور نفس دعوت ان تینوں کے سلسلے میں قرآنی ہدایات کو ملحوظ رکھنے سے ہی اس ذمہ داری سے ہم سبکدوش ہو سکتے ہیں اور اس کے صحیح اور مثبت نتائج ہمارے سامنے آسکتے ہیں۔

قرآن حکیم اولاً اس بات پر زور دیتا ہے کہ داعی علم و عمل کے اعتبار سے بلند مرتبہ پر فائز ہو۔ چنانچہ " اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علّم الانسان مالم یعلم" اور " یاایھا المدثر، قم فانذر وربك فکبر" سے یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون " (سورہ الصف) تک کا طویل سفر طے کئے بغیر داعی اپنی دعوت کو پراثر اور نتیجہ خیز نہیں بنا سکتا ہے۔ زمانے کی شعوری سطح کا ادراک علم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لئے علم کا حصول ضروری ہے تاکہ جس زمانے میں دعوت کا فرض انجام دیا جا رہا ہے اس کے نشیب و فراز کا مکمل احساس رہے اور انابت الی اللہ، تقویٰ، طہارت، تزکیۂ نفس اور خشیت الٰہی وغیرہ صفات داعی کے اندر موجود ہوں۔ اس کی زندگی میں دعوت کے اثرات نمایاں ہوں جس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہے اس پر خود عمل پیرا ہو اگر ایسا نہیں ہے تو قول و فعل کا یہ تضاد جہاں اخروی زندگی کے لئے باعث ہلاکت بن سکتا ہے، دعوت کی زندگی کے لئے بھی وہ کم مضر نہیں ہے۔ داعی کا فرض ہے کہ وہ ان صفات کو سب سے پہلے اپنے اندر پیدا کرے۔ داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی دعوت کا آغاز اپنے قریبی متعلقین سے کرے کیونکہ قریبی لوگ جب اس کے ہم نوا اور ہم خیال ہوں گے تو وہ اپنی دعوت کو مستحکم کر سکتا ہے اور دوسروں کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں ملے گا کہ گرد و پیش میں تاریکی ہی تاریکی ہے اور چلے ہیں پوری دنیا کو روشنی دکھانے۔

دعوت کا اسلوب اور طریقہ کار کیا ہو؟ اس سلسلہ میں قرآن مبین کی سب سے پہلی ہدایت یہ ہے " اُدع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" (سورہ النحل آیت ۱۲۵) یعنی اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور بھلی بات کے ذریعہ بلاؤ۔ حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس کا کوئی متعین مفہوم بیان کرنا مشکل ہے۔ زمانہ، ضرورت اور مخاطب

ہر لحاظ سے اس میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ دعوت بالکل واضح ہو کہ اس میں کسی طرح کی کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہ ہو۔ علم و بصیرت کی روشنی میں دعوت کو پیش کیا جا رہا ہو۔ طریقۂ کار کے لئے ہمیں ان تمام مثبت طریقوں کو اپنانا ضروری ہے جن کو اپنا کر ہر زمانہ میں کسی بھی دعوت اور فکر کو لوگوں تک پہنچایا جا رہا ہو۔ اسلام غیر اخلاقی اور غیر سنجیدہ ذرائع کو چھوڑ کر تمام مہذب اور شائستہ ذرائع استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ دعوت کے موضوعات جہاں اسلام کے بنیادی تصورات، توحید، رسالت اور آخرت ہوں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرہ کی ابھری ہوئی برائیاں بھی اس کا موضوع بنیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جن پریشانیوں سے لوگ دو چار ہوتے ہیں ان کو زیر بحث اگر نہ لایا جائے تو وہ کوئی صحیح بات سننے کو تیار نہیں ہوتے۔ قرآن مجید نے انبیاء کرام کی جو تاریخ بیان کی ہے اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاں فرعونیوں کو اللہ واحد کی طرف بلایا وہاں اس بات پر بھی زور دیا کہ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے معاشرہ کی اہم برائی غیر فطری طریقوں سے یعنی ہم جنسی کے ذریعہ خواہشات کی تکمیل پر زبردست تنقید کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی بیشی کو موضوع بحث بنا کر قوم کو اس غلط حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ان انبیاء علیہم السلام کی تاریخ سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل درست ہے کہ معاشرہ کی ابھری ہوئی برائیوں کو ضرور موضوع بحث بنانا چاہیئے۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان سے پریشان ہوتے ہیں ان کی ہمدردیاں دعوت کو حاصل ہو جاتی ہیں اور تھوڑی سی محنت کے بعد وہ داعی کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔

دعوت کی زبان نرم ہونی چاہیئے۔ فرعون جیسے جابر اور اپنے کو خدا کہلانے والے کے پاس جب حضرت موسیٰ و ہارون تشریف لے جاتے ہیں تو اس سے نرم انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: اذهبا الى فرعون انه طغى. فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۴۳)

خطابات کے الفاظ اپنے پہلو میں پیار کا عنصر لئے ہوئے ہوں۔ جیسے کہ اکثر انبیاء

کرام کا دستور رہا ہے کہ انہوں نے خطاب کرتے وقت مخاطبین کے لئے، اے لوگو! اے میری قوم! اے وہ لوگو! جو یہودی ہوئے! جو نصرانی ہو گئے! اور اے وہ لوگو جو ایمان لائے! جیسے الفاظ سے پکارا ہے ایسا نہیں کہا کہ اے کافرو! اے مشرکو! اے دین حق کے دشمنو! جیسے القاب سے پکارا اور مخاطب کیا ہو جس سے الفت و محبت کی راہ ہموار ہونے کے بجائے عداوت و نفرت کی خلیج قائم ہو جائے۔ اسی طرح مخاطب کے طبعی رجحان اور اسکی نفسیات کا خیال رکھنا بھی داعی کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ غور و فکر کی طاقت و قوت فہم و ادراک کے مدارج مختلف ہوتے ہیں۔ داعی کے طریق کار کا ایک اہم حصہ سحر بیانی ہے جسے علم معانی کے اصولوں پر مشتمل ہونا چاہیے کہ ایک چیز کو مختلف انداز سے بیان کیا جا سکے خواہ وہ تحریری دعوت ہو یا تقریری۔ قرآن حکیم کی تلاوت و مطالعہ سے مذکورہ چیزوں کا واضح طور پر ثبوت ملتا ہے جس کا بڑا فائدہ یہ ہیکہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ دعوت کا مقصد چونکہ باطل اعتقادات و رسم و رواج کو ختم کرنا اور اس کی جگہ پر ہدایت کے منارے قائم کرنا ہے اس لئے مدعوئین کے ذہن و قلب میں باطل معتقدات اور رسم و رواج کے حسن و جمال اور محبت کو یکسر ختم کرنا آسان نہیں ہوتا ایسی صورت میں ان عقائد و رسوم کو براہ راست باطل نہ ٹھہرایا جائے بلکہ ان غلط وابستگی کے فکری اسباب کی اصلاح کی جائے ورنہ نتیجہ یہ ہو گا کہ اصلاح کے بجائے مخالفت و ہٹ دھرمی کا میدان گرم ہو جائے گا۔ ارشاد ہے۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم" (سورہ انعام آیت: ۱۰۹)

یعنی" اور تم ان لوگوں کو گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ کہ وہ حد سے گذر کر بے جانے بوجھے اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔ ایسے ہی ہم نے ہر امت کی نظروں میں ان کے اعمال کو خوبصورت بنا دئے ہیں" مخاطب کے طبعی میلان کا جائزہ لینا اور پھر اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے لہذا اگر مخاطب کا طبعی میلان کسی اور چیز میں لگا ہوا ہے اور وہ بجائے نصیحت حاصل کرنے کے اعتراض کی بوچھار

کرنے کے حق میں ہو تو ایسے موقع پر دعوت دین کا قرآنی دستور یہ ہیکہ داعی دعوت سے اس وقت باز رہے اور اس کیفیت کے فرو ہو جانے کے بعد اصلی مقصد کی طرف متوجہ ہو۔ قول باری ہے :" اذا رایت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض منھم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ۔ یعنی" جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کر رہے ہیں تو ان سے منہ موڑ لو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں" دعوت کا فریضہ انجام دیتے وقت داعی کو اپنے ماحول و گردوپیش کا پوری مستعدی و ہوشیاری سے جائزہ لینا چاہیئے۔ اور جب بھی کوئی موقع میسر آئے تو بغیر کسی تاخیر کے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدخانہ میں اپنے قیدی ساتھیوں سے دعوت کا کام اس انداز پر شروع کیا تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

"یٰصاحبی السجن أارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار، ماتعبدون من دونہ الا اسمآء سمیتموھا انتم وآباءکم ماانزل اللہ بھا من سلطان"
(سورہ یوسف آیت : ۳۹-۳۸)

یعنی اے میرے قیدخانہ کے دونوں ساتھیو! کیا بہت سے رب بنانا بہتر ہے یا ایک اللہ واحد قہار کو؟ تم اور تمہارے آبار واجداد چند ناموں کے سوا اور کچھ نہیں پوجتے جن کو تم اور تمہارے آبار واجداد نے گھڑ لئے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ ؎

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے